ضبطِ راوی،اختلاط اور تغیر کتب مصطلح کا تحقیقی مطالعہ

A research study on the credibility of the narrator, trauma and the different methodology of Hadith terminology books

ڈاکٹر نورالرحمن ہزاروی•
ڈاکٹر محمد عمران••
محمد انعام الحق•••

Abstract

The credibility of the narrator stands as a fundamental prerequisite for ensuring the genuineness of a hadith. Any form of disruption in this credibility results in a diminishing impact on the authority of the hadith. It is noteworthy that this authority tends to persist consistently throughout the lifetime of certain narrators. Instances of disruption may arise due to unforeseen circumstances such as accidents, trauma, or the natural aging process. It is crucial to delineate the distinctions between two often misconstrued concepts: mixing and changing. These terms, erroneously regarded as synonymous, are addressed with precision in the article under scrutiny, aiming to elucidate and underscore the nuanced disparities between them.

Key words: Zabt, Zabit, Sadr, Kitab, Ikhtilat, Sanad, Arkan, Ravi, Rivaia.

• Ph.D Scholar, Faculty of Usuluddin, Department of Hadith, International Islamic University Islamabad

•• Assistant Professor, Shaykh Zayed Islamic Centre, University of Peshawar

••• Ph.D Scholar Faculty of Usuluddin, Department of Hadith, International Islamic University Islamabad

محدثین کے ہاں ضبطِ راوی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ صحتِ حدیث کی بنیادی شرطوں میں سے ایک اہم ترین شرط ہے، اس شرط میں خلل، صحتِ حدیث میں قدح، یا کم از کم اس حدیث کے درجۂ قبول میں نزول کا باعث ضرور بنتا ہے، اس شرط کی نقدی قدر و قیمت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ شرط علوم الحدیث کے دو انتہائی عظیم ترین علوم کی تاسیس کا اہم ترین سبب ہے، اور وہ دو علوم: علم الجرح والتعدیل اور علم العلل ہیں۔ علم الجرح والتعدیل میں راوی کے ضبطِ عام سے بحث ہوتی ہے اور علم العلل میں اس کے ضبطِ خاص سے بحث ہوتی ہے۔ ذیل میں ہم ضبط وضابط کے مفہوم، ان کی مختلف اقسام اور ضبط میں خلل سے پیدا ہونے والی دو اہم مصطلحات: اختلاط اور تغیر، ان کے مفہوم اور ان میں فرق کو زیر بحث لائیں گے۔

محدثین کے ہاں ضبط کی تعریف: «نقل المروي كما تلقاه الراوي لفظًا أو معنى» یعنی: ضبط کے معنی ہیں: راوی کا اپنے شیخ سے لی ہوئی حدیث کو بغیر کسی کمی بیشی، اور تغییر و قلب کے بالکل اسی طرح آگے نقل کرنا، جس طرح وہ حدیث اس نے اپنے شیخ سے لی ہے، چاہے وہ راوی اس حدیث کو ''لفظًا'' آگے نقل کرے یا ''معنًی''۔

لفظًا أو معنًی: یہ قید اگر نہ لگائی جاتی تو ''كما تلقاه'' کے الفاظ سے وہم ہوتا کہ: ضبط کے لئے '' نقل باللفظ'' شرط ہے، یعنی: اگر راوی نقل باللفظ کرے گا تو اسے ''ضابط'' کہا جائے گا، اور اگر نقل بالمعنی کرے گا، تو اسے ضابط نہیں کہا جائے گا، حالانکہ راوی چاہے اپنے شیخ سے لی ہوئی حدیث آگے باللفظ نقل کرے یا بالمعنی، اسے ضابط کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ نقل کردہ حدیث، شیخ کی بیان کردہ حدیث کے موافق و مطابق ہو، چاہے یہ موافقت لفظی ہو یا معنوی۔ اور ''روایت بالمعنی'' تو جمہور کے نزدیک جائز ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ: محدثین کا اس کے جواز پر اتفاق ہے تو مبالغہ نہ ہوگا؛ اگر ''نقل بالمعنی'' مخلّ بالضبط ہوتا تو محدثین کبھی بھی روایت بالمعنی کی اجازت نہ دیتے، حالانکہ روایت بالمعنی کرنے والے راویوں کی تعداد سینکڑوں، بلکہ ہزاروں میں ہے اور ان کی روایات صحیحین سمیت تمام دواوینِ سنت میں موجود ہیں۔

ضابط بالمعنی الخاص: «من كان نقله للمروي مطابقًا لما تلقّاه عن شيخه لفظًا أو معنًى» یعنی: ضابط بالمعنی الخاص سے مراد وہ راوی ہے، جس نے کوئی ایک حدیث یا زیادہ (جس پر ہم حکم لگانا چاہتے ہیں) اسی طرح آگے

نقل کی ہو، جس طرح اس نے اسے اپنے شیخ سے لیا ہے، چاہے وہ اسے ''لفظًا'' آگے نقل کرے یا ''معنًی''۔اور ایسے راوی کے بارے میں کہا جائے گا کہ :اس نے اس ایک یا زائد احادیث کو ضبط کیا ہے۔

ضابط بالمعنی العام: «من غلب على الظن أن نقله موافقٌ لما تلقّاه عن شيخه، أو: هو من كان احتمال صوابه أكبرَ من احتمال خطئه» یعنی: ضابط بالمعنی العام اس راوی کو کہتے ہیں، جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ یہ احادیث اسی طرح آگے نقل کرتا ہے، جس طرح اس نے اپنے شیخ سے لی ہیں۔ یا اس راوی کو کہتے ہیں جس کی روایت کردہ احادیث میں صواب کا احتمال، اس کے خطا کے احتمال سے زیادہ ہو، اور اگر دونوں احتمال مساوی ہوں-اگرچہ یہ صورت بہت ہی نادر ہے-تو وہ راوی غیر ضابط شمار ہو گا۔

محدثین کسی راوی کا ضابط و غیر ضابط ہونا معلوم کرنے کے لئے اس راوی کی احادیث کا ''سبر'' کرتے تھے ۔ اس راوی کی احادیث میں ایسی احادیث بھی ہوتی تھیں، جن کی روایت کرنے میں یہ راوی متفرد ہوتا ہے اور ایسی احادیث بھی ہوتی تھیں، جن کی روایت کرنے میں دیگر راوی بھی اس کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ نقاد اس کی مفاریدمیں دیکھتے کہ ان میں مناکیر ہیں یا نہیں، اور کتنی ہیں، اور غلطی کی کمیت کے ساتھ ساتھ اس غلطی کی طبیعت (سنگینی و عدم سنگینی) کو بھی دیکھتے (نقاد کی نظر صرف اخطاء کی مقدار و تعداد پر نہ ہوتی، بلکہ خطا کی طبیعت پر بھی نظر ہوتی، فحش و عدمِ فحشِ خطا پر بھی نگاہ ہوتی، اور ان دونوں کو سامنے رکھ کر ہی وہ راوی کے ضبط کا درجہ متعین کرتے؛ کیونکہ کبھی کبھار کسی ایک حدیث میں راوی کی سنگین نوعیت کی غلطی اس کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں احادیث کو ساقط کر دیتی ہیں)۔اسی طرح شرکت والی روایات کا بھی نقاد دراسہ کرتے ہیں، کہ ان احادیث میں اس راوی نے دیگر ثقات کے ساتھ کتنی موافقت کی ہے اور کتنی مخالفت کی ہے، مثلاً: اس راوی کی تین ہزار احادیث میں سے ناقد نے ایک ہزار احادیث کا ''سبر'' کیا، تو اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ راوی ۷۰۰ احادیث میں مصیب ہے اور ۳۰۰ احادیث میں مخطئ ہے، گویا اس کی ان ایک ہزار احادیث میں صواب کا تناسب خطا سے زیادہ ہے، تو ایسے راوی کی باقی ماندہ احادیث کے بارے میں اب ناقد کا غالب گمان یہی ہو گا کہ یہ ان احادیث میں بھی عموماً مصیب ہو گا یا اس کی باقی ماندہ احادیث میں صواب کا احتمال، خطا کے احتمال سے زیادہ ہو گا۔ پس جس قدر ''سبر'' والی احادیث میں صواب کا تناسب بڑھے گا، اسی

قدر باقی ماندہ احادیث میں بھی صواب کا احتمال، خطا کے احتمال کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا، یا تلقی عن الشیخ کے ساتھ نقل کے موافق ہونے سے متعلق گمان اسی قدر زیادہ ہوگا۔ غرض راوی کے بارے میں احتمالِ صواب و خطا کے حوالے سے یہ غلبۂ ظن، اسی سبر دراسہ پر قائم و مبنی ہوتا ہے۔ اور ''سبر'' میں صرف راوی کی غلطیوں کی تعداد کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ تعداد کے ساتھ ساتھ طبیعتِ خطا کو بھی دیکھا جاتا ہے؛ صرف تعداد کو نہیں دیکھا جاتا؛ کیونکہ کبھی کبھار ایک سنگین وفاحش خطا، دسیوں یا سینکڑوں اَخطاء کے برابر ہوتی ہے۔

تفصیل سے اہلِ علم کے اس قول کہ: عدل ضابط راوی کی روایت مفیدِ غلبۂ ظن ہوتی ہے، کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے؛ کہ عدل و ضابط راوی کی روایت کا مفیدِ غلبۂ ظن ہونا اس امر پر مبنی ہے؛ کہ ضابط کی حدیث میں صواب کا احتمال اَغلب واَکبر ہوتا ہے، یقینی و قطعی نہیں ہوتا۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا راوی نہیں، جس کی حدیث میں صواب کا احتمال یقین و قطعیت کے درجہ میں ہو، چاہے وہ ضبط واتقان کے جتنے اعلی درجہ پر ہو، ہر راوی چاہے وہ جتنا اعلی درجہ کا ضابط و متقن ہی کیوں نہ ہو، اس کی حدیث میں خطا کا احتمال ہوتا ہے، بلکہ دنیا میں کوئی بھی ایسا راوی نہیں، جس سے غلطیاں نہ ہوئی ہوں، معصوم عن الخطا کوئی بھی راوی نہیں۔ غرض کسی راوی کا ضبط اس درجہ تک نہیں پہنچتا کہ وہ یقین و قطعیت کا فائدہ دے۔

کسی راوی کے ضابط ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اس کی حدیث مطلقاً و دائماً مقبول ہوگی اور اس سے کبھی بھی غلطی نہیں ہوگی، بلکہ ضابط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدیث میں اصل قبول و صواب ہے، بشرطیکہ کوئی ایسی چیز ظاہر نہ ہو جائے جو اس کی کسی متعین حدیث کے ضبط میں موجبِ شک ہو۔ اور وہ موجبِ شک امر دو میں سے کوئی ایک ہوگا: یا تو اس نے اَکثر ضبطًا یا عددًا کی مخالفت کی ہوگی، یعنی: اس نے اپنے سے زیادہ متقن وضابط راوی کی مخالفت کی ہوگی سند میں یا متن میں یا سند و متن دونوں میں، یا جماعت کی مخالفت کی ہوگی سند یا متن یا سند و متن دونوں میں۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے عموماً جماعت اور اَتقن راوی کی روایت کو ترجیح دی جاتی ہے اور مخالفت کرنے والے راوی کی حدیث کو خطا قرار دیا جاتا ہے۔

یا وہ کسی اصل متنی یا اصل اسنادی کی روایت کرنے میں متفرد ہوگا، حالانکہ اس کا ضبط واتقان اس درجہ کا نہیں ہے کہ اس تفرد کی وجہ سے پیدا ہونے والے شک کا جبیرہ وتدارک کر سکے۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

راوی غیر ضابط: «من كان احتمالُ خطئه أكبرَ من احتمالِ صوابه. أو: من غلب على الظن أن نقله غيرُ موافقٍ لما تلقّاه عن شيخه» یعنی: راوی غیر ضابط سے مراد وہ راوی ہے، جس کی احادیث میں خطا کا احتمال صواب کے احتمال سے زیادہ ہو یا دونوں احتمال برابر ہوں، اگرچہ یہ صورت تقریباً نادر الحصول ہے، عموماً کوئی ایک احتمال راجح ہوتا ہے۔ یا جس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ یہ احادیث اسی طرح آگے نقل نہیں کرتا، جس طرح اس نے اپنے شیخ سے لی ہیں؛ یا تو بایں سبب کہ اس کی سبر شدہ احادیث میں اخطاء زیادہ ہیں یا کچھ اخطاء فاحش اور سنگین نوعیت کی ہیں، جن کی وجہ سے ضبطِ حدیث پر اس راوی کی گرفت وصلاحیت مشکوک ہو جاتی ہے یا اس کی روایت کردہ احادیث کی بابت غلطی کا غالب گمان پیدا ہو جاتا ہے۔

کبھی کبھار خطا کی سنگینی وفحاشت اس قدر زیادہ ہو جاتی ہے جو اس کی سینکڑوں، بلکہ ہزاروں احادیث کے سقوط کا سبب بن سکتی ہے؛ چنانچہ امام دار قطنیؒ ایک راوی کی کسی حدیث میں سنگین غلطی کے بارے میں کہتے ہیں: «هذا خطأٌ يسقط مائة ألف حديثٍ»-اور امام ابوزرعہؒ ایک راوی کی کسی حدیث میں ایک فاحش خطا کے بارے میں کہتے ہیں: «هذا يسقط خمسمائة حديثٍ»- گویا فحش الخطأ بہت ساری غلطیوں کے برابر ہوتی ہے، بلکہ کبھی صورت حال اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے؛ ایسی صورت میں قوی احتمال ہوتا ہے کہ اس کا سبب، قدح فی العدالۃ ہے۔اس طور پر کہ یا تو یہ راوی مغفل بغفلت شدیدہ ہے مثلاً: وہ یوں کہے: عن ابی ہریرہ، عن سعید بن المسیب، عن النبی ﷺ ،یعنی: اسے صحابی اور تابعی کی پہچان وتمیز ہی نہیں۔اسی طرح اس مؤذن کا واقعہ جو سمعتُ حمیداً الطویل عن أنس، عن النبی ﷺ کی سند سے طلبۂ حدیث کے سامنے ایک صحیفہ پڑھتا تھا، جب انہوں نے پوچھا کہ آپ نے حمید الطویلؒ سے احادیث سنی ہیں، تو اس مؤذن نے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھ سے پہلے یہاں مسجد میں ایک مؤذن تھا، وہ اسی صحیفہ سے احادیث پڑھ کر سناتا تھا، اس کا انتقال ہوا، تو میں اس کی جگہ اذان دینے لگا، محلہ والوں نے کہا: تم بھی اسی صحیفہ سے احادیث پڑھ کر لوگوں کو سنایا کرو، تو میں نے بھی ان لوگوں کے کہنے پر احادیث سنانا شروع کر دیں تو یہ انتہائی

درجہ کی غفلت ہے، جو راوی عدل میں شرط ''عقل'' کے مخالف ہے، کوئی عاقل شخص اس طرح نہیں کر سکتا۔ یا قوی احتمال ہے کہ اس نے جان بوجھ کر خلاف واقع حدیث بیان کی ہے، یعنی: جھوٹ کہا ہے؛ تو ایسی صورت میں قادح ،قدح فی الضبط سے قدح اشدّ کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، جو کہ قدح فی العدالۃ ہے۔

راوی کا عدم ضبط کے ساتھ موصوف ہونا قادح فی صحتِ الحدیث ضرور ہے، مگر یہ قادح خفیف ہے، جو صالح للانجبار ہوتا ہے، اور تقویت کو قبول کرتا ہے مطلقاً، البتہ اس تقویت کے بقدرِ درجۂ ضعف، مختلف مراتب ہیں، جس قدر ضعفِ ضبط خفیف ہوگا، اسی قدر تقویت کے بعد اس حدیث ضعیف کی قوت زیادہ ہوگی، اور جوں جوں ضعفِ ضبط زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کی قوت بھی کم ہوگی، الا یہ کہ وہ راوی ''عدمِ اعتبار'' کے درجہ پر پہنچ جائے، اور یہ تب ہوتا ہے جب راوی کی غلطی اس قدر فاحش و سنگین ہوتی ہے کہ غالب گمان کے مطابق اس کا سبب قدح فی العدالۃ ہوتا ہے۔

البتہ یہاں ایک تنبیہ لازمی ہے، کہ یہ حکم راوی کا تھا، حدیث عدمِ اعتبار کے درجہ پر پہنچ جائے تو وہ بھی تقویت کو قبول نہیں کرتی، اگرچہ اس کا راوی ضبط تام کے ساتھ موصوف ہو، اور حدیث عدمِ اعتبار کے درجہ پر اس وقت پہنچتی ہے جب اس حدیث میں راوی کی غلطی متحقق ہو جائے اور وہ حدیث معلول یا منکر کہلائی جائے۔ اسی طرح کوئی حدیث عدمِ اعتبار تک اس وقت بھی پہنچتی ہے جب اس حدیث کا راوی غیر عدل ہو۔

اقسامِ عدمِ ضبط: عدمِ ضبط کی دو قسمیں ہیں: قائم اور طارئ۔

قائم: عدمِ ضبط قائم وہ ہے، جس کے ساتھ راوی اسی وقت سے موصوف ہو، جب سے وہ تحدیث و روایت کے ساتھ معروف ہو۔

طارئ: عدمِ ضبط طارئ وہ ہے جو بعد میں راوی کو لاحق ہو جائے، جیسے اختلاط و تغیر۔

اختلاط و تغیر میں فرق: اختلاط کے معنی ہیں: فساد عقل، خلل فی العقل، ذہابِ عقل، عقل کا سٹھیا جانا؛ اس طور پر کہ انسان کو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں ہوتی، وہ اپنا حافظہ کھو بیٹھتا ہے، اپنے پرائے کسی کو پہچان نہیں پاتا، کہ اس کے سامنے کون ہے؟ اس کے ساتھ کون ہے؟ ایسے شخص کا نفسیاتی ڈاکٹرز سے علاج کروانا پڑتا ہے، کھاتا پیتا ہے، مگر اس کا کھانا پینا

عام سنجیدہ انسانوں کے کھانے پینے جیسا نہیں ہوتا، ایک راوی تھا، جو اختلاط کا شکار ہو گیا تھا، وہ کسی مسجد میں مؤذن تھا، اوقات میں تمیز نہیں کر پاتا تھا، بے وقت اذان دے دیا کرتا تھا، ظہر کی اذان چاشت کے وقت دے دیا کرتا تھا، مختلط شخص سمجھانے اور یاد دہانی کے باوجود بھی نہیں سمجھتا۔ اختلاط کا عارضہ عموماً کسی شدید صدمہ، حادثہ، ضیاعِ کتب، کبر سنی وغیرہ کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ''تغیر'' ہے، جس کے معنی ہیں: حافظہ کا کمزور ہو جانا، پہلے کی طرح نہ رہنا، یہ عموماً بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے، ایسا راوی اگر غلطی کرتا ہے، تو یاد دہانی کروانے پر اسے یاد آجاتا ہے اور مراجعہ وغیرہ کر کے اس کا تدارک بھی کر سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اختلاط، تغیر سے اشد ہے۔ البتہ کبھی کبھار دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں؛ چنانچہ بہت سے بڑے ائمہ جن کو اختلاط سے موصوف کیا گیا، وہ دراصل ''تغیر'' کا شکار ہوئے تھے، جیسے: امام ابو اسحاق السبیعیؒ، امام ہشام بن عروہؒ، امام ابن عیینہؒ، عطاء بن السائبؒ، لیث بن ابی سلیمؒ وغیرہ۔ البتہ اگر تغیر کو قلت یا یسر کے ساتھ مقید کر کے استعمال کیا جائے تو وہاں اس سے مراد متعین طور پر حافظہ کی کمزوری ہی ہوتا ہے، نہ کہ فسادِ عقل۔

راوی مختلط کا حکم: راوی مختلط کی حدیث چار حالات میں مقبول اور ایک حالت میں مردود ہوتی ہے:

1- وہ احادیث جو اس نے اختلاط سے پہلے روایت کی ہیں۔ اور اس کا پتہ ایسے چلتا ہے کہ وہ حدیث اس کے ان شاگردوں کی روایت سے ہو، جنہوں نے اس سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔

2- وہ احادیث جن میں مختلط راوی کی دیگر ثقات نے متابعت کی ہے، جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مختلط راوی نے ان احادیث کو ضبط کیا ہے۔

3- کبھی کبھار وہ راوی جسے اختلاط کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے، وہ در حقیقت تغیر یسیر یا قلیل کے ساتھ موصوف ہوتا ہے، جو راوی کو مرتبۂ قبول سے نہیں اتارتا، اگرچہ اس مرتبہ سے وہ کم تر ہوتا ہے، جس پر وہ تغیر یا اختلاط سے پہلے تھا، تو

اس طرح کا راوی اس معنی میں مختلط نہیں ہوتا جس کی شروع میں تعریف گذری ہے، اگرچہ بعض اہلِ علم نے توسعًا اسے اختلاط کے ساتھ موصوف کر دیا۔ الغرض ایسے راوی کی حدیث میں اصل قبول ہے۔

4-راوی اختلاط کے بعد روایتِ حدیث سے روک دیا گیا ہے اور بوقتِ اختلاط اس سے کوئی حدیث نہیں لی گئی۔

ان چار حالتوں کے علاوہ مختلط راوی کی حدیث ضعیف و مردود ہے۔

اقسامِ ضبط: راوی دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن کا حافظہ بہت مضبوط ہوتا ہے، انہیں ہر سنی ہوئی حدیث یاد رہتی ہے، اور انہیں عموماً کتاب کی طرف رجوع کی کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسری قسم وہ راوی ہے، جن کا حافظہ مضبوط نہیں ہوتا، مگر وہ لکھ سکتے ہیں اور کتاب میں دیکھ کر احادیث بیان کر سکتے ہیں؛ اسی بنا پر ائمہ نے ضبط کی دو قسمیں ذکر کی ہیں:

ضبطِ صدر اور ضبطِ کتاب اور ہر ایک کی اپنی شروط ہیں:

ضبطِ صدر: «هو القدرة على استحضار المروي من الصدر، كما تلقاه الراوي تلقي الإتقان» یعنی: ضبط صدر سے مراد یہ ہے کہ: راوی کسی بھی وقت، جب چاہے اپنی کسی بھی حدیث کے استحضار پر زبانی قدرت رکھتا ہو، بالکل اسی طرح، جس طرح اس نے اسے اپنے شیخ سے لیا تھا۔ بشرطیکہ راوی بوقتِ روایت کتاب کی طرف مراجعت نہ کرے؛ کیونکہ راوی کو اگر کتاب کی طرف مراجعت کی ضرورت پڑے گی تو اسے ضبطِ صدر کے ساتھ موصوف نہیں کیا جائے گا، بلکہ ضبطِ کتاب کے ساتھ موصوف ہوگا۔ نیز بوقت تلقی راوی-نشیط و بیدار مغز ہو، سستی، غفلت وغیرہ توجہ بٹانے والے امور سے بچے؛ چنانچہ کبھی کبھار راوی مجلس تحدیث میں کسی سے باتیں کرنے، یا کسی سوچ میں، یا قلم کی نوک درست کرنے یا روشنائی بھرنے یا اونگھنے یا لہو و لعب وغیرہ میں لگا ہوتا ہے، تو ظاہر ہے ایسی صورت میں اس کی تلقی غیر متقن اور کمزور ہوگی اور جب تلقی میں خلل و نقص ہوگا تو اداء کیونکر درست اور وہ راوی کیونکر ضابط ہوگا؟!

ضبط صدر کے ساتھ موصوف ہونے کے لئے روایت باللفظ ضروری نہیں، روایت بالمعنی کی صورت میں بھی اسے ضابط کہا جائے گا۔ البتہ روایت بالمعنی کی صورت میں شرط یہ ہے کہ معنی میں تبدیلی نہ آئے۔ ائمہ نے روایت بالمعنی کی صحت کے لئے دو شرطیں ذکر کی ہیں:

1- فقہ النفس۔ جس کے معنی ہیں: راوی خداداد اجتہادی صلاحیت کے بل بوتے پر دلیل شرعی سے شارع کی مراد کو مکمل گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ سمجھنے پر قادر ہو۔ اور اس کے لئے معاون چیز، فروع فقہیہ، ان میں ائمہ کے اختلافات، ان اختلافات کے ادلہ واسباب کا علم اور اصول فقہ میں مہارت ہونا ہے۔ یا راوی خود تو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، مگر وہ کسی مجتہد کی تقلید کرے اور کسی ماہر واہل، فقیہ و مجتہد سے فقہ الحدیث حاصل کرے۔

2- علم باللغۃ۔ لغت میں اس قدر مہارت و تمکن ہو کہ حدیث کا مضمون بغیر کمی بیشی کے اپنے الفاظ میں بیان کر سکے۔

واضح رہے کہ بعض احادیث نبویہ ایسی ہیں، جن میں روایت بالمعنی درست نہیں، جیسے: نبی ﷺ سے منقول ادعیہ واذکار پر مشتمل احادیث ، کہ ان ماثور الفاظ کے ساتھ دعا کرنا ادعٰی لِلاجابہ ہے، مثلاً: دعاء النوم جو آپ ﷺ نے حضرت براء بن عازب کو سکھائی، جب وہ آپ ﷺ کے سامنے دہرانے لگے تو یوں کہا: «آمنت برسولك الذي أرسلت»، آپ ﷺ نے تصحیح کرتے ہوئے فرمایا، کہ اس طرح کہو: «آمنت بنبيك الذي أرسلت»۔ وہ جن کے الفاظ سے تعبد کیا جاتا ہے، جیسے: نماز میں تشہد والی حدیث، نماز میں تشہد کے بعد درود ابراہیمی والی حدیث، اسی طرح اذان کے الفاظ پر مشتمل احادیث کہ اذان کے الفاظ تعبد کے طور پر بولے جاتے ہیں، آپ ﷺ کے جوامع الکلم پر مشتمل احادیث، مثلاً: «من عمل عملًا ليس عليه أمرنا فهو ردٌّ»، «إنما الأعمال بالنيات»، احادیث وغیرہ۔ اور اسماء وصفات باری تعالیٰ جیسے توقیفی الفاظ پر مشتمل احادیث۔

ضبطِ کتاب: ضبطِ کتاب یہ ہے کہ راوی کسی ایسی کتاب سے احادیث بیان کرے، جس میں اس نے اپنے شیوخ سے حاصل کردہ احادیث لکھی ہوئی ہیں، اس طور پر کہ اس راوی کی اس کتاب سے روایت بالکل اسی طرح ہو، جس طرح اس نے یہ احادیث اپنے شیخ سے لی ہیں۔

ضبطِ کتاب کی شروط:

1-کتاب میں موجود احادیث اچھے کاغذ پر، اچھی روشنائی سے واضح کر کے قدرے بڑے خط کے ساتھ لکھی ہوئی ہوں، اس طور پر کہ بغیر کسی تصحیف و تحریف کے اسے صحیح طرح سے پڑھا جاسکے۔

2-اس کتاب کی اصلِ صحیح معتمد یا اس سے منقول کسی نسخہ معتمدہ کے ساتھ مقارنہ کر کے تصحیح کی گئی ہو۔

3-وہ اسے غیر مامون شخص کے ہاتھوں سے بچا کر رکھے، اور اسے تغییر، ضیاع، فقدان اور تلف سے مستقل محفوظ رکھے۔

4-اس نوع کے ضبط والا راوی-جب کہ وہ ضبطِ صدر کا حامل نہ ہو-صرف اپنی کتاب یا اس سے منقول کسی معتمد نسخہ سے روایت کرے، چاہے وہ نسخہ اس کا ہو یا کسی اور کا ہو، البتہ اگر کسی اور کا نسخہ ایسا ہو کہ اس کی اصل معتمد کے ساتھ موازنہ کر کے تصحیح نہ کی گئی ہو تو ایسے نسخے سے پڑھ کر احادیث بیان کرنا درست نہیں۔ جیسے: عبد اللہ بن لہیعہؒ احترافِ کتب کے بعد لوگوں کے نسخوں سے احادیث پڑھ کر سناتے تھے، حالانکہ وہ نسخے کسی اصل صحیح معتمد سے نہیں لکھے گئے تھے، البتہ قتیبہ بن سعیدؒ، ابن لہیعہؒ سے صحیح الحدیث ہیں حالانکہ ان کا سماع ابن لہیعہؒ سے احترافِ کتب کے بعد کا ہے؛ کیونکہ انہوں نے ابن لہیعہؒ کے پاس جانے سے قبل عبد اللہ بن وہبؒ کی کتاب سے ان کی احادیث لکھ لی تھیں، اور عبد اللہ بن وہبؒ کا سماع ابن لہیعہؒ سے قبل احترافِ کتب ہے اور وہ ابن لہیعہؒ سے صحیح الحدیث ہیں۔ اور عبد اللہ بن لہیعہؒ نے قتیبہ بن سعیدؒ کے اسی معتمد نسخہ سے ہی احادیث پڑھی تھیں۔

فائدہ: بعض ائمہ ضبطِ صدر کے ساتھ موصوف ہونے کے باوجود احادیث کتاب سے پڑھ کر سنایا کرتے تھے، جیسے: امام احمدؒ، امام ابن المدینیؒ وغیرہ۔

ارکانِ ضبط فی الروایہ: اہلِ علم جیسے: ابن الأثیرؒ، سید شریف جرجانیؒ اور ان سے پہلے امام شافعیؒ نے ضبط سے متعلق جو کلام کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضبط تین ارکان پر قائم ہوتا ہے۔

ا-«إتقان المتلقي سماع الكلام على الوجه الصحيح» یعنی: راوی اس کلام کو غور سے، اچھی طرح سنے۔

ب-«وعي الكلام بفهم معناه الذي أريد به» یعنی: اس کلام کا مطلب جو اس سے مراد ہے، اسے خوب سمجھے۔

ج-«تعاهد الراوي للكلام بالمراجعة والمذاكرة؛ كي يظلّ محفوظًا، ثابتًا في الذاكرة، لا يتسرّب إليه الشكّ والنسيان إلى حين أدائه، وتبليغه الغير» **یعنی: راوی اس کلام کا اپنے ساتھ مسلسل مراجعہ اور اہلِ علم کے ساتھ اس کا وقتاً فوقتاً مذاکرہ کرے؛ تاکہ وہ اس کے حافظہ میں محفوظ و برقرار رہے، اور شک و نسیان اس کی طرف سرایت نہ کرے، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھے جب تک کہ وہ اسے آگے اوروں تک نہ پہنچادے۔**

ضبطِ صدر کے لئے لازمی امور: ضبطِ صدر کے لئے درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے:

1 - بوقتِ تلقی واخذ راوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیدار رہے، اونگھ، سستی وغیرہ کو خود پر مسلط نہ ہونے دے، نیز ذہنی انتشار و پراگندگی سے بھی خود کو محفوظ رکھے۔ اور یہ ذمہ داری متلقَی اور متلقَی عنہ دونوں کی ہے۔

2 - بوقتِ تلقی کان لگا کر اچھی طرح حدیث سننا؛ کہ یہ ضبطِ حدیث کے لوازم میں سے ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے امام اوزاعیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: حسنِ استماع، محدث کی قوت ہے۔ نیز خطیب بغدادیؒ نے کہا: اگر طالبِ حدیث کو بوقتِ مذاکرہ کوئی بات کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو پست آواز میں بات کہے؛ تاکہ اپنے اور اسی طرح دوسروں کے سماع میں خلل کا باعث نہ بنے۔ اہلِ علم بوقتِ سماع بات چیت، اور کتابت وغیرہ کو راوی کے ضبط میں رخنہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام ذہبیؒ نے ابن ناصرؒ کا ابو سعید صاحبِ انساب کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے: «فيه تساهل في السماع؛ يتحدث ولا يصغي، ويقول: يكفيني حضور المجلس»۔ اسی طرح امام ابن عدیؒ سے ابو القاسم بن عیاد نے پوچھا کہ: اگر کوئی شخص مجلسِ حدیث میں بوقتِ سماع لکھتا ہے، تو اس شخص کا سماع درست ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''نہیں''۔ خطیب بغدادیؒ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ان حضرات نے بوقتِ سماع لکھنے سے جو منع کیا ہے؛ تو اس کی وجہ قلب کا لکھائی میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس وقت پڑھی جانے والی حدیث سے غافل ہونا، اور اس کے ضبط و اتقان میں ترکیزِ وقت کھو دینا ہے، پس اگر کتابت، فہمِ مسموع سے مانع نہ ہو تو یہ سماع درست ہوگا''۔ [1]

3 - بعد از تلقی بھی راوی کو غفلت سے دور رہنا چاہئے؛ بایں طور کہ راوی استحضار کی مشق جاری رکھے اصحابِ حدیث کے ساتھ بکثرت میل جول رکھے، روایتِ حدیث میں ان کے طریقے اور عادات معلوم کرکے انہیں اپنائے۔ یہ غفلت بعد از تلقی عموماً صلحاء، عباد، زہاد وغیرہ راویوں میں پڑ جاتی ہے، اور اس کا سبب ان کا لوگوں سے منقطع ہونا اور

عبادت کے لئے خلوت اختیار کرنا ہے۔اور کبھی یہ غفلت اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے کہ یہ حضرات ایسی ایسی احادیث بھی بیان کر دیتے ہیں جو انہوں نے سنی تک نہیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابو طالب مکیؒ نے امام احمدؒ کا عباد بن کثیرؒ کے حوالے سے یہ قول نقل کیا ہے: «عباد بن كثير أسوء حالًا من الحسن بن عمارة، وأبي شيبة إبراهيم بن عثمان؛ روى أحاديث كاذبة لم يسمعها، وكان من أهل مكة، وكان صالحًا»۔اس پر ابو طالب مکیؒ نے ان سے «فكيف كان يروي ما لم يسمع!؟ »۔تو امام احمدؒ نے فرمایا: «البلاء الغفلة»۔ [2]

4 -روایتِ حدیث کے لئے علمی فراغت ضروری ہے؛ چنانچہ راوی کو چاہئے کہ وہ ایسے اعمال اور کاموں مثلاً: عملِ قضاء، کوئی حکومتی عہدہ وغیرہ سے خود کو دور رکھے جو اس کی عقل اور وقت دونوں پر حاوی ہو جائیں اور ان میں مشغول ہو کر وہ احادیث کے مراجعہ اور اہلِ حدیث کے ساتھ مذاکرہ کے لئے وقت نہ پا سکے۔اور کچھ عرصہ بعد اس کے ضبط وحفظ کا مستوی کم ہو جائے اور احادیث بیان کرتے وقت اس سے غلطیاں ہونے لگیں۔ جیسے: قاضی شریک بن عبد اللہ نخعی، کہ قضاء میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان کا ضبط متاثر ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ احادیث بیان کرتے وقت غلطیاں کرتے تھے۔اسی لئے قضاء سے پہلے جنہوں نے ان سے احادیث سنی ہیں، ان کا سماع صحیح ہے۔اور قضا کے بعد جنہوں نے ان سے سماع کیا ہے، اس میں کچھ اختلاط پایا جاتا ہے۔ [3] یہی حال حفص بن غیاث کا بھی ہے، قضا کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہیں نسیان لاحق ہو گیا تھا۔ [4]

5 -مرویات کا باقاعدگی کے ساتھ مراجعہ و تکرار اور اہلِ حدیث کے ساتھ ان کا مذاکرہ کرنا؛ کہ راوی کے ضبط کو برقرار رکھنے اور قوتِ استحضار کے لئے اس کی حیثیت اکسیر کی ہے۔ خطیب بغدادیؒ نے علقمہ بن قیس نخعیؒ کا یہ قول ذکر کیا ہے: «أطيلوا كرّ الحديث؛ لا يدرس»۔[5]

امام حاکمؒ فرماتے ہیں: «مذاكرة الحديث والتمييز بها والمعرفة عند المذاكرة بين الصدوق فإن المجازف في المذاكرة يجازف في التحديث»۔[6]

امام رامہرمزیؒ فرماتے ہیں: «من اعتمد على حفظه كثر وهمه، وإنما الحفظ للمشاهدة، ولصاحبه التقدم والرئاسة عند المذاكرة»۔[7]

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں: «إن المذاكرة بما تحفظه، من أقوى أسباب الإمتاع به»۔ [8]

ضبطِ کتاب کے لئے لازمی امور: ضبطِ کتاب کے لئے درج ذیل امور کا ہونا ضروری ہے:

1 -بوقتِ کتابتِ حدیث راوی کو چاہئے کہ جلد بازی سے کام نہ لے، تسلی اور احتیاط کے ساتھ لکھے، نیز خوش خط لکھے؛ تاکہ سقط، تصحیف، تحریف اور کلام کے ایک دوسرے کے ساتھ التباس سے محفوظ رہے۔ اور اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ راوی کتابت کے لوازمات مثلاً: عمدہ کاغذ، معیاری روشنائی، وغیرہ کا اہتمام کرے، نیز کلمات واضح، نمایاں اور مناسب فاصلے کے ساتھ گہرا کر کے لکھے، باریک نہ لکھے؛ تاکہ وہ جلد مٹنے نہ پائیں اور ان کی زندگی طویل ہو۔اس کے لئے ائمہ سیاہ روشنائی کی تجویز دیتے ہیں؛ کہ وہ طویل عرصہ تک برقرار رہتی ہے اور اس کی زندگی دیگر انواعِ روشنائی کی بنسبت کافی طویل ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کتابت عن الزہری میں یونس بن یزید ایلیؒ کے ضبط پر نقد کیا ہے؛ کہ کتابتِ حدیث کے ہنر اور ڈھنگ سے ان کی واقفیت عمدہ نہیں تھی؛ چنانچہ اپنے بیٹے کے ان کے حوالہ سے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا: «لم يكن يعرف الحديث؛ يكتب أول الكتاب: الزهري عن سعيد، وبعضه: الزهري، فيشتبه عليه»۔ [9]

2 -راوی نے شیخ سے ان کی احادیث کے سماع کے لئے جو نسخہ اختیار کیا ہے، سماع سے پہلے اس نسخہ کا اس اصل کے ساتھ موازنہ کرے، جس اصل سے یہ نسخہ اس نے یا کسی اور نے لکھا ہے، اس کے بعد شیخ کے سامنے بغیر جلد بازی کیے اس نسخہ کی ایک ایک حدیث، اور ایک ایک ورق پیش کرے؛ اسے شیخ کے سامنے پڑھے اور جہاں جہاں اسے اشکال ہو، اسے شیخ سے سمجھنے کی کوشش کرے؛ کہ مکتوب کو شیخ کے سامنے پیش کرنا اور اس کا موازنہ کرنا غلطی، سہو، سقط، تصحیف، تحریف، دخولِ کلام فی کلام وغیرہ سے بچنے کی ضمانت ہے۔ محققین اہلِ حدیث کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ: جس نے حدیث لکھی اور پھر اسے شیخ پر پیش نہ کیا اور نہ ہی اس کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے کچھ بھی نہیں لکھا۔ غرض راوی کو چاہئے کہ جو اس نے لکھا ہے، اسے وہ بغیر جلد بازی کے شیخ کے سامنے ایک ایک ورقہ کر کے پیش کرے، اور اپنے سماع میں اس شخص کے عرض پر اعتماد نہ کرے، جو عرض کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے، جس طرح کہ: حبیب بن ابی حبیب وزّاقِ امام مالکؒ کہ، ائمہ نے اس کے عرض پر شدید نقد کیا ہے؛

چنانچہ امام مالکؒ کے سامنے بوقتِ عرضِ حدیث وہ بیک وقت بغیر پڑھے دو دو تین تین صفحات پلٹ دیتا تھا؛ نیز جب وہ کوئی جزء اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھنا شروع کرتا تو طلبہ کو اسے اپنے پاس نقل کرنے سے پہلے ہی پڑھ لیتا تھا، پھر اسے پڑھتا بھی مکمل نہیں تھا، کچھ پڑھ لیتا، اور باقی چھوڑ دیتا تھا اور کہتا کہ: میں نے سب پڑھ لیا ہے، پھر انہیں وہ جزء دے دیتا، جس کو طلبہ اپنے پاس نقل کر لیتے؛ اس لئے جن راویوں نے اس کی "عرض" کی بنیاد پر امام مالکؒ سے احادیث لی ہیں، ان کا سماع درست نہیں ہے۔ [10]

3-اپنی کتاب کی حفاظت کرے، اسے نمی، وحرارت وغیرہ کی آفت سے بچائے رکھے؛ تاکہ لکھائی خراب نہ ہو جائے۔[11]، نیز اسے غیر ذمہ دار اور غلط لوگوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے؛ تاکہ کوئی اس میں ردوبدل یا اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کر لے؛ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کتاب کسی محفوظ جگہ پر رکھے جو اس طرح کے لوگوں کی پہنچ سے دور ہو۔ اور کسی کو اپنی کتاب یا نسخہ عاریتاً نہ دے۔ اور اگر کسی نے اپنا نسخہ یا کتاب کسی شخص کو عاریتاً دے دی یا اس سے کتاب کھو گئی، پھر کچھ عرصہ بعد اسے دوبارہ مل گئی اور اس میں اس نے کوئی تبدیلی یا دسّ وغیرہ نہ پایا اور کتاب میں موجود احادیث بالکل درست پائیں تو وہ اس کتاب پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے روایت کر سکتا ہے۔[12] نیز اگر وہ خود نہیں لکھ سکتا یا نہیں لکھنا چاہتا تو پھر اپنے لئے ایسے وّراق کا انتخاب کرے جو معتمد و مامون ہو؛ چنانچہ وراق وکاتب اگر غیر مامون ہو تو یہ اس راوی کے لئے باعثِ طعن ہو سکتا ہے، جس طرح سفیان بن وکیع بن الجراح کے ساتھ ہوا، ان کا وراق نہایت برا انسان تھا، جس کی وجہ سے ان کی احادیث کو اس نے برباد کر دیا تھا۔[13]

بعض محدثین نے تو اتنی زیادہ احتیاط کی کہ انہوں نے اپنی موت کے بعد اپنی کتب کو جلانے یا ضائع کرنے یا دفن کرنے کی وصیت کی اور کچھ نے تو اپنی زندگی ہیں میں اپنی کتابیں جلادی تھیں؛ تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ کتابیں ان کی موت کے بعد غیر معتمد لوگوں کے ہاتھوں میں نہ چلی جائیں کہ وہ ان میں تغیر و تبدل کریں یا اپنی طرف سے احادیث داخل کر دیں، جو لازمی طور پر ان کے ضبط میں باعثِ قدح وطعن بن سکتا ہے جس کی وجہ سے ان کی روایات مشکوک و غیر معتمد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ نے اپنی کتابیں اپنے ساتھ ہی دفن کرنے کی وصیت کی۔ سعد بن شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں کہ: ان کے والد امام شعبہؒ نے وصیت فرمائی کہ میں مر جاؤں تو میری کتابیں دھو کر ضائع کر دینا۔ ابو بکر

محمد بن عمر جعابی نے بھی اپنی کتابیں جلانے کی وصیت کی، بلکہ بعض کے بقول: انہوں نے اپنی موت سے کچھ دیر قبل خود اپنے ہاتھوں سے ہی انہیں جلادیا تھا۔ [14]

4-راوی کو چاہئے کہ اپنی کتاب کی اصلاح وتدقیق کی غرض سے اس کی مراجعت مسلسل کیا کرے؛ اس میں کوئی غلطی اگر اسے نظر آجائے تو اس کی اصلاح کرلے، کوئی لفظ زائد نظر آجائے اسے مٹادے یا کوئی لفظ ساقط ہوگیا ہو تو اسے ذکر کردے، مثلاً: نسب میں ابن کا اضافہ کرنا وغیرہ؛ غرض اپنی کتاب کو زیادہ سے زیادہ سے متقن وعمدہ کرنے کی کوشش کرے۔ [15]

ضبطِ کتاب مقدم ہے ضبطِ صدر پر: محدثین کے ہاں ضبطِ کتاب، ضبطِ صدر پر مقدم ہے؛ بشرطیکہ ضبط کتاب میں وہ تمام شرائط پائی جائیں، جو اوپر ذکر ہوئیں۔ چنانچہ ابن معینؒ سے جبرینیؒ نے پوچھا: آپ کے نزدیک ثبت حفظ اور ثبت کتاب میں سے کون سا زیادہ پسندیدہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ثبت کتاب۔ امام ابن المدینیؒ نے باوجود امام احمدؒ کے اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ احفظ ہونے کتاب سے روایت کرنے پر ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا: «لنا فيه أسوة»۔ [16] اور حفاظ میں سے کچھ حضرات ایسے تھے جو ضبطِ صدر اور ضبطِ کتاب دونوں کے حامل وجامع تھے؛ چنانچہ جب وہ مکتوب اچھی طرح یاد کرلیتے تھے تو پھر اسے مٹادیتے تھے۔ [17]

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ضبط کتاب تو ظاہر یہی ہے کہ وہ سب تام ہی ہوتا ہے، اس میں نقصان نہیں ہوتا؛ اور اسی وجہ سے ضبطِ کتاب کے اعتبار سے حدیث کی تقسیم نہیں کی جاتی۔ اگرچہ اختلافِ کتاب کے اعتبار سے ضبطِ کتاب میں اختلاف ہوتا ہے۔ [18]

مراتبِ روات میں تباین کا سبب ''ضبط'' ہے: راوتِ حدیث کے چار مراتب ہیں:
مرتبۂ تصحیح، مرتبۂ تحسین (ان دونوں کو ایک مرتبہ بھی قرار دیا سکتا ہے یعنی مرتبۂ قبول)، مرتبۂ ضعف خفیف، مرتبہ ضعف شدید۔ ان چاروں یا تینوں مراتب کا مرجع، عدالت نہیں، بلکہ ضبط ہے؛ کیونکہ راویوں کے ان مراتب میں اس تفاوت کا اغلبی سبب ''خلل فی الضبط'' ہے، نہ کہ ''خلل فی العدالہ''۔ عدالت میں خلل آجائے تو اس سے راوی ''شدید الضعف'' ہوجاتا ہے، اس میں کوئی مراتب نہیں۔ ''خلل فی العدالة''(بشرطیکہ وہ ایسا فسق نہ ہو، جو

قابل تاویل ہو، جیسے: بدعت کہ یہ فسق ہے، مگر قابل تاویل ہے) کا ثمرہ و نتیجہ صرف ''ضعف شدید'' ہے، اس کا یہی ایک مرتبہ ہے، جس سے موصوف راوی کی حدیث، صالح للاعتبار نہیں رہتی۔

نتائج بحث:

* ضبط، علوم الحدیث کے دو اہم ترین علوم: علم الجرح والتعدیل اور علم العلل کی تاسیس کا بنیادی سبب ہے۔
* راوی کے ضابط ہونے کے لئے '' نقل باللفظ '' شرط نہیں ہے۔
* جمہور کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، بلکہ اس کے جواز پر اتفاق کا قول کرنا مبالغہ نہ ہوگا۔
* نقاد راوی کے ضبط کا درجہ متعین کرتے وقت صرف اس کی اخطاء کی مقدار کو نہیں دیکھتے، بلکہ خطا کی طبیعت بھی ان کے پیش نظر ہوتی ہے؛ چنانچہ کبھی ایک فاحش خطا راوی کی سینکڑوں، بلکہ ہزاروں احادیث کو ساقط کر دیتی ہیں۔
* اختلاط، فسادِ عقل کو کہتے ہیں، جب کہ تغیر، حافظہ کی کمزوری کو، اختلاط، راوی کو دائرہ قبول سے نکال دیتا ہے، جب کہ تغیر کی وجہ سے راوی دائرہ قبول سے تو نہیں نکلتا، مگر سابقہ مرتبہ سے نیچے آجاتا ہے۔
* اختلاط، تغیر سے اشد ہے، البتہ کبھی کبھار دونوں ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں، ایسی صورت میں سیاق وسباق اور قرائن کے ذریعے ہی دونوں میں فرق کیا جاسکتا ہے۔

Refrences

[1] Al-Khatib, "Al-kifayah fi marifa't usool e-'ilm riwayah"(p. 66- 67
[2] Ibn Abi Hatim, al-Jarh wa'l-Ta'deel (6/84-85)
[3] Tahdheeb al-Tahdheeb by Ibn Hajar (4/295)
[4] Tahdheeb al-Tahdheeb by Ibn Hajar (2/359)
[5] Al-Khatib, al-Jami' li-Akhlaq al-Rawi wa-Adab al-Sama', (2/266).
[6] Al-Hakim, "marifa't uloom ul-Hadith" (p. 140)
[7] Al-Ramhormozi, Kitab al-Muhaddith al-Fasiq al-Rawi' wa'l- Wa'i" (p. 387)
[8] Ibn al-Salah, "Uloom al-Hadith" (p. 143).
[9] Ibn Abi Hatim, al-Jarh wa'l-Ta'deel (9/248)
[10] Ibn al-Jawzi, al-Du'afa' wa'l-Matrokeen (1/265)
[11] Al-Daraqutni, "Su'alat al- Hamza" (p. 275 – no: 402)
[12] "Al-kifayah fi marifa't usool 'ilm e-riwayah" (p. 235-236)
[13] Al-Jarah wa'l-Ta'deel (4/231)
[14] See: Ahmad, al-ilal wa marifa't al-Rijal (1/214, 215), al-Ramhormozi, Kitab al-Muhaddith al-Fasiq al-Rawi' wa'l-Wa'i (p. 384), Abu Nu'im, Hilyat ul-Awliya' (7/38-64), al-Hakim, As-Sajzi (pp. 228-229), al-Khatib, Tareekh Baghdad (3/31), al-Dhahabi, Tadhkirat ul-Huffadh (3/926), and Siyar ul-'alam e-Nubala' (7/213-223-224)
[15] "Al-kifayah fi marifat usool e-'ilm riwayah" (p. 251)
[16] Al-Jami' li-Akhlaq al-Rawi wa-Adaab e-Sama'i (2/38)
[17] "Taqyeed ul-'ilam" (p. 58)
[18] Mulla Ali al-Qari, Sharh Sharh Nukhbat ul-Fikr (p. 249)